اصلاح مومنین شیعہ

کے پچیس (۲۵) امور

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کے مبارک ومقدس نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ درود وسلام ہو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر اور آپ کی پاکیزہ اولاد پر یعنی وہ اہل بیت جن پر اللہ نے نظر کرم فرمائی اور انہیں تمام مسلمانوں کے لیے نجات کا راستہ قرار دیا۔ پس چہاردہ معصومین کی محبت ہی ایمان ہے اور ان کی تعلیمات کی پیروی کرنے والا ہی کامیاب ہوگا۔ شکر ادا کرو اس پروردگار کا جس نے تمہیں ایک اثناء عشری جعفری امامی شیعہ مسلمان پیدا کیا یا مسلک اہل بیت کی طرف ہدایت عطا کی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ آجکل ہندوستان اور پاکستان میں رہنے والے اکثر شیعوں کے عقائد ونظریات خراب ہو چکے ہیں۔ جس طرح ہم سے پہلے کی امتوں نے اپنے انبیاء ومرسلین کی تعلیمات سے روگردانی اختیار کی، اس امت کی بھی یہی روش رہی ہے۔ سنی ہوں یا شیعہ یہ سب ہی کافی حد تک گمراہ ہو چکے ہیں اور محض ایک اقلیت دین کے راستے پر قائم ہے۔ اگر شیعوں کی بات کی جائے تو ہم میں سے اکثر کو تو اپنے عقائد ٹھیک سے معلوم ہی نہیں۔ ہر شخص کسی نہ کسی حد تک غلو میں مبتلا ہے اور بدعات ہر طرف پھیل چکی ہیں۔

لیکن اکثر شیعوں کو اپنی گمراہی کا اندازہ نہیں کیونکہ انہوں نے ہماری بنیادی کتب حدیث کو نہیں پڑھا اور متقدمین شیعہ کی علمی فکر سے ناواقف ہیں۔ اگر کوئی شیعہ مومن احادیث کا مطالعہ کرے اور وسائل شیعہ جیسی کتب کو چاٹ ڈالے تو پھر اس کو اندازہ ہو کہ اسوقت ملت تشیع میں کس قسم کی خرافات نے جڑ پکڑ لی ہے۔ پھر اگر وہ شخص کافی اور فقیہ جیسی بنیادی کتب کا مطالعہ کرے تو وہ جان جائیگا کہ عہد حاضر کا ایک عام شیعہ عقائد وفروع کے میدان میں بہت پیچھے ہے اور آئمہ اہل بیت (علیہم السلام اجمعین) جن لوگوں کو اپنا موالی قرار دیتے تھے ہم اس درجہ ایمانی سے بہت نیچے رہ گئے ہیں۔ پھر جب وہ عربی سیکھ کر متقدمین شیعہ کی کتب کا مطالعہ کرلے تو پکار اٹھے گا کہ جدید دور کا شیعہ مسلک چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے فقہ جعفریہ سے الگ ہے؛ جدید دور کے تشیع میں صفوی وعرفانی نظریات کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ اس سب کے بعد وہ جذبہ ایمانی کے تحت کتابچے لکھے گا جس طرح بندہ حقیر و کاتب صغیر و روشن ضمیر یہ تحریر قلم بند کر رہا ہے۔

معلوم ہو جائے کہ میں ماڈیسٹ مسلم ۲۰۱۹ء سے ٹوئیٹر پر موجود ہوں۔ میرا تعلق ایک اثناء عشری شیعہ گھرانے سے ہے اور سیستانی (قدس اللہ سرہ) کی تقلید میں ہوں۔ البتہ میرا مطالعہ کافی وسیع ہے اور میں محمد حسین نجفی ڈھکوؒ، آیت اللہ آصف محسنی قندھاریؒ، حیدر حب اللہ اور کمال الحیدری جیسے دیگر علماء کرام سے بھی متاثر ہوں۔ مختلف موضوعات پر شیعہ علماء کے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں چنانچہ ہمارا کام ہے علمائے شیعہ کے اختلافات کو سمجھنا۔ جس عالم دین کی دلیل آپ کو اچھی لگی اسکے ساتھ متفق ہو جائیں اور چاہیں تو توقف اختیار کر لیں۔ لیکن خدارا ان اختلافی امور پر ایک دوسرے کا گریبان پکڑنا چھوڑ دیں اور صحیح معنوں میں روافض بن جائیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اس کتاب کو دھیان سے پڑھیں اور اس میں لکھی باتوں پر غور وفکر کریں۔ آئمہ اہل بیت کی تعلیمات پر کان دھریں اور اگر عربی نہیں آتی تو ان تصانیف کے اردو یا انگریزی تراجم حاصل کر لیں۔ امید ہے کہ یہ رسالہ پڑھ کر شیعوں کی اصلاح ہوگی اور لوگ یہ جان لیں گے کہ سچا شیعہ مذہب تو وہ ہے جو کتابوں میں درج ہے نہ کہ وہ جو ذاکر بیان کرتے ہیں۔

تفضیل آئمہ

کیا ہمارے بارہ امام تمام انبیاء سے افضل ہیں؟ معلوم ہونا چاہئے کہ اس مسئلے پر متقدمین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیخ مفیدؒ اپنی کتاب اوائل المقالات میں لکھتے ہیں کہ اس موضوع پر شیعوں کے درمیان مندرجہ ذیل تین آراء پائی جاتی ہیں:

ا) ہمارے آئمہ رسول اللہ (ص) کے علاوہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

ب) ہمارے آئمہ اولوالعزم انبیاء کو چھوڑ کر باقی سب سے افضل ہیں۔

ج) کوئی بھی امام کسی بھی پیغمبر سے افضل نہیں (متکلمین کا عقیدہ)۔

اس کے علاوہ ایک چوتھا قول یہ بھی ہے کہ صرف امیر المومنین حضرت علی (ع) ہی رسول اللہ (ص) سے پہلے کے انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں۔ شیخ مفیدؒ نے پہلی رائے کے ساتھ اتفاق کیا جبکہ شیخ طوسیؒ اس مسئلے پر توقف کرتے ہیں۔ چنانچہ تفضیل آئمہ کے موضوع پر سنیوں سے بحث کرتے وقت اس اختلاف کو یاد رکھیں۔ انہیں بتا دیں کہ آئمہ کو انبیاء سے افضل ماننا ضروریات مذہب میں سے نہیں۔

عصمت کی حد

تمام شیعہ اس امر پر متفق ہیں کہ ہمارے آئمہ اور دیگر انبیاء معصومین ہیں۔ یعنی ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا اور خطا بھی سرزد نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس عصمت کی حد کیا ہے؟ کیا ایک نبی یا امام پیدائشی معصوم ہوتا ہے؟ معلوم ہونا چاہئے کہ عصمت کی حد کو لے کر شیعوں کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ متقدمین اس موضوع پر ایک رائے نہیں رکھتے تھے۔

شیخ صدوقؒ اور ان کے استاذ ابن الولیدؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ انبیاء و آئمہ سے سہو (بھول چوک) کا امکان جائز ہے۔ اس کی بنیاد انہوں نے ان روایات پر رکھی جن کے مطابق رسول اللہ (ص) ایک مرتبہ نماز پڑھاتے وقت رکعات کی تعداد بھول گئے۔ شیخ صدوقؒ نے کہا کہ یہ سہو اللہ کی طرف سے تھا، شیطان کی جانب سے نہیں تھا۔ اس سہو کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو نماز کے مسائل کا بخوبی علم ہو جائے۔ تو اس مقصد سے نبی (ص) کو سہو ہوا۔ شیخ صدوقؒ اس موضوع پر اس قدر متشدد تھے کہ انہوں نے سہو نبی کے انکار کو غلو کا پہلا درجہ قرار دے دیا اور چوتھی صدی ہجری میں قم کے شیعہ علماء غلو کی بابت بہت سختی کرتے تھے۔

شیخ مفیدؒ اور شیخ طوسیؒ نے سہو نبی کا انکار کیا اور کہا کہ یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں۔ شیخ مفیدؒ نے اس نظریے کے حامل افراد کو مقصر قرار دیا۔ چنانچہ ماضی کے علماء کا عصمت کے مسئلے پر اختلاف واضح ہے۔ البتہ خود شیخ مفیدؒ کا کہنا یہ تھا کہ ایک نبی وحی اترنے سے قبل کسی گناہ کبیرہ و صغیرہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا لیکن وہ کسی ایسے گناہ صغیرہ کا ارتکاب کر سکتا ہے جو اس کو شرمندہ نہ کرے۔ یہ عقیدہ مستقبل میں جا کر تبدیل ہوا اور علامہ مجلسیؒ کے دور میں شیعوں کا اجماع اس امر پر ہو گیا کہ انبیاء سرے سے گناہان صغیرہ کا ارتکاب ہی نہیں کر سکتے پھر چاہے کوئی گناہ ان کے لیے شرمندگی کا باعث بنے یا نہ بنے۔ لہٰذا ان عقائد کو سمجھنا سیکھیں۔

پھر یہ کہ آئمہ کن معاملات میں معصوم ہیں؟ آجکل ہمارا ماننا ہے کہ آئمہ زندگی کے ہر شعبے میں معصوم ہیں۔ البتہ ماضی کے علماء کا کہنا یہ تھا کہ انبیاء کا محض امور شریعت کی ترویج واشاعت میں معصوم ہونا لازم ہے۔ یعنی جن معاملات کا تعلق دنیوی زندگی سے ہو ان میں امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں۔ مثال کے طور پر ایک امام کے لیے ممکن ہے کہ وہ نشانہ بازی کی مشق کرتے وقت غلطی کر جائے۔ اس غلطی سے اس کی امامت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پس یہی مطلب شیخ طوسیؒ نے بیان کیا ہے۔ اس کی مثال ہمیں یوں ملتی ہے کہ امام زین العابدین (علیہ السلام) نے ایک مرتبہ ایک عورت سے شادی کی تو ایک شیعہ نے آپ کو اطلاع دی کہ یہ عورت تو ناصبی ہے چنانچہ آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ یا امام موسیٰ الکاظم (علیہ السلام) نے لاعلمی کی بناء پر ایسے انڈے کھا لیے جنہیں جوئے بازی میں استعمال کیا گیا تھا لیکن کسی نوکر کے بتانے پر ایک طشت منگا کر اس میں قے کر دی۔ ان چیزوں سے امام کی امامت پر چنداں فرق نہیں پڑتا۔

یہاں آئمہ کے علم الغیب کی بابت سوال ہوسکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آئمہ کے پاس علم الغیب نہیں ہوتا۔ یہ غلاۃ کا عقیدہ تھا کہ آئمہ علم الغیب کے حامل ہیں۔ صحیح شیعہ عقیدہ اس مسئلے پر یہی ہے کہ ہمارے آئمہ علم الغیب نہیں رکھتے تھے مگر اللہ آئمہ کی خواہش پر غیبی امور میں سے کچھ باتیں ان پر کھول دیا کرتا تھا۔ البتہ علم الغیب کی تفصیل میں جانے کا یہ درست مقام نہیں۔

سادات کے متعلق

اس ہی طرح نجانے کیوں اکثر پاکستانی شیعوں کے درمیان یہ نظریہ مشہور ہوگیا ہے کہ بنو فاطمہ سب کے سب اثناءعشری تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے اکثر بارہ امامی تو کیا سرے سے شیعہ ہی نہیں تھے۔ حسنی سادات کی اکثریت زیدی تھی اور یہ لوگ خود کو امامت کا حق دار سمجھتے تھے۔ اس کا تذکرہ کافی کی پہلی جلد میں موجود ہے اور حسنی سادات کا ہمارے آئمہ کی مخالفت کرنا مشہور بات ہے۔ عبداللہ ابن حسن ابن حسن ابن علی ابن ابیطالب اور ان کے بچوں کی مثال سامنے ہے۔ اس ہی طرح زید ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب سنی العقیدہ تھے اور ان کے بیٹے حسن نے تو منصور کے کہنے پر امام جعفر الصادق (ع) کے گھر کو آگ بھی لگا دی تھی۔ محمد ابن عبداللہ الحسنی جس کو نفس زکیہ کہا جاتا ہے اس نے امام جعفر الصادق (ع) سے بیعت کا مطالبہ کیا اور منع کرنے پر قید میں ڈال دیا۔ چنانچہ یہ سب لوگ شیعہ عقائد سے منحرف تھے اور ان کی مذمت میں کئی احادیث صحیح اسناد کے ساتھ ہماری کتب میں موجود ہیں۔

پھر یہ کہ موسوی سادات کی اکثریت واقفی العقیدہ ہوگئی تھی اور یہ لوگ امام موسیٰ الکاظم (ع) کو قائم آل محمد مانتے تھے۔ اس کا ذکر جناب سید الرضیؒ نے کیا ہے۔ حسینی سادات میں بھی امامت کے جھوٹے دعویدار گزرے ہیں۔ امام جعفر الصادق (ع) کے بیٹوں محمد اور عبداللہ نے امامت کا دعویٰ کیا۔ اسماعیل ابن جعفر کے بیٹوں محمد اور علی کا اہل بیت سے منحرف ہونا مشہور ہے۔ امام موسیٰ الکاظم (ع) کے کئی بیٹے آپکے انتقال کے بعد واقفی یا زیدی ہو گئے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ بنو فاطمہ کی اکثریت بارہ امامی نہ تھی۔

صحیح العقیدہ شیعوں کی اکثریت غیر سادات پر مشتمل تھی۔ بنو فاطمہ میں تھوڑے سے لوگ سید تھے لیکن یہی لوگ ہمارے سر کا تاج ہیں کیونکہ ان کی رگوں میں محمد الرسول اللہ (ص) کا خون تھا اور دلوں میں اہل بیت کی محبت بھی تھی۔ پس احترام اسی سید زادے کا کیا جائیگا

جو ایک باکردار بارہ امامی شیعہ ہو۔ چنانچہ سادات کے متعلق پاکستانی شیعوں کے درمیان الٹے سیدھے عقائد پائے جاتے ہیں۔ان عقائد کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں بلکہ من مانی تاویلات کے بل پر تولی و تبراء کرتے ہیں۔

معلوم رہے کہ بعض سادات جنھوں نے آئمہ کے ادوار میں خروج کیا ان کی مدح بھی ہماری کتب میں مذکور ہے۔ چنانچہ زید شہید اور حسین ابن علی ابن الحسن ابن الحسن ابن الحسن ابن علی ابن ابیطالب ممدوح شخصیات ہیں۔ان دونوں پر اللہ پر رحمتیں نازل ہوں۔ پس جس سیدزادے کی تعریف امام نے کردی وہ ہمارے لیے قابل احترام ہوگیا۔

سیدزادی کی شادی کا مسئلہ

اس ہی طرح نجانے کیوں پاکستان اور ہندوستان میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ ایک سیدزادی کی شادی کسی غیر سید سے نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک انتہائی احمقانہ بات ہے اور اس کا کوئی سر پیر نہیں۔ مومن عورت کا کفو مومن مرد ہے اور نسب نکاح کی صحت کی شرط نہیں۔ روایات میں تو یہ آتا ہے کہ آئمہ اپنی بیٹیوں کی شادیاں غیر سادات میں کردیا کرتے تھے۔اس کے لیے آپ انساب کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور دیکھ لیں کہ کتنے ہی آئمہ نے اپنی دختران غیر سید مسلمانوں کے نکاح میں دیں۔

انساب کی معتبر کتابوں میں یہ تالیفات شامل ہیں:

ا) علی ابن محمد العمری العلوی الصوفی کی کتاب مجدی فی انساب الطالبین

ب) ابن عنبہ کی مشہور زمانہ کتاب عمدۃ الطالب (لیکن یہ زیدی ہے)

ج) ابن طقطقی کی کتاب فخری (اس کا بارہ امامی ہونا مشتبہ ہے)

د) ابوالفرج الاصفہانی کی الاآغانی اور مقاتل الطالبین

ہ) ابونصر سہل بخاری کی کتاب سر سلسلہ العلویہ

ان کتب کا مطالعہ کریں اور معلوم کریں کہ ہمارے آئمہ میں سے کس کس نے غیر سادات کو اپنی دامادی میں لیا۔ چنانچہ ابوتراب حضرت علی ابن ابیطالب (ع)، امام علی ابن الحسین زین العابدین (ع) اور امام جعفر ابن محمد الصادق (ع) نے غیر سادات کو داماد بنایا۔ اور تو اور کتب احادیث میں بھی امام جعفر الصادق (ع) کے ایک اموی اور ایک عباسی داماد کا ذکر ملتا ہے۔لیکن سیدزادی کے نکاح کی صحت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے اپنی چچازاد ضباعہ بنت الزبیر ابن عبدالمطلب کا نکاح مقدادؓ سے کیا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اونچے خاندان کی عورت کی شادی نچلے طبقے کے مرد کے ساتھ جائز ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک غلام مرد ایک ہی وقت میں دو آزاد عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے۔اسکی دلیل کے طور پر وسائل شیعہ میں موجود روایات کا جائزہ لیں۔ آئمہ معصومین نے شادی بیاہ میں حسب نسب کی کوئی قید نہیں لگائی۔ چنانچہ بلاوجہ نکاح کے معاملے میں اس قسم کی غیر شرعی قدغنیں لگانا درست نہیں۔ تمام علمائے شیعہ اس نکاح کی حلت کے قائل رہے ہیں سوائے ابن جنیدؒ کے۔

سکینہؓ بنت الحسین

یہ مسئلہ ذرہ گھمبیر ہے اور اکثر شیعہ اس موضوع پر اشتعال میں آجاتے ہیں۔ لہٰذا میری کوشش ہوگی کہ اس معاملے کو نزاکت کے ساتھ بیان کروں۔

اکثر شیعوں کا ماننا ہے کہ حضرت امام الحسین (علیہ السلام) کی چار پانچ سال کی ایک بیٹی تھیں جن کا نام سکینہ تھا (البتہ عرب شیعہ اس بچی کو رقیہ پکارتے ہیں)۔ سکینہ بنت الحسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے متعلق جو داستان مشہور ہے اس کے مطابق وہ شام کے زندان میں ہی انتقال کر گئیں تھی اور وہیں دفن ہیں۔

لیکن کیا یہ داستان درست ہے؟ اگر آپ آیت اللہ محمدری شہری (رحمہ اللہ) کی کتاب کا مطالعہ کریں تو انہوں نے اس داستان کے ماخذ کا کافی دقیق مطالعہ کیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ متقدمین کے نزدیک امام الحسین (ع) کی فقط دو بیٹیاں تھیں، سکینہ اور فاطمہ۔ یہ دونوں ہی شادی شدہ تھیں اور انہوں نے لمبی عمر پا کر ضعیفی میں انتقال کیا۔ ان کے یہاں اولاد بھی ہوئی جس کا تذکرہ علمائے انساب نے کیا ہے اور ہم بھی اس اولاد کے متعلق بات کریں گے۔

واقعہ کربلا کے پانچ یا چھ سو برس بعد سب سے پہلے زندان میں ایک چھوٹی بچی کی وفات کی کہانی بیان کی جاتی ہے۔ بعد میں آنے والے روضہ خوانوں اور قصہ گوؤں نے اس بچی کو دختر امام الحسین بیان کیا گیا۔ واقعہ کربلا کے کوئی ہزار سال بعد اس بچی کا نام بیان کیا جانے لگا۔ کسی نے زبیدہ کہا، کسی نے رقیہ تو کسی نے سکینہ۔ سکینہ نام کا استعمال سب سے پہلے پچھلی صدی میں ہوا۔ اس داستان کا اصل ماخذ ایک مجہول شخص ہے جس کی کتاب بھی ناپید ہے۔

چنانچہ امام الحسین (ع) کی ایک بیٹی کا کم عمری میں شام کے زندان میں آخری سانسیں لینا قوی ذرائع سے ثابت نہیں۔ شام میں موجود قبر سکینہ بھی واقعہ کربلا کے صدیوں بعد ملی اور کتبے کے مطابق یہ قبر سکینہ بنت الملک یا سکینہ بنت عبدالملک کی ہے۔ کسی کتبے پر رقیہ بنت علی بھی تحریر ہے۔ چنانچہ اس قبر کے متعلق بھی شبہات موجود ہیں۔

پچھلی صدی میں مشہور ہندوستانی عالم دین ناصر حسین ابن حامد حسین موسویؒ سے جب سکینہ بنت الحسین کے متعلق پوچھا گیا تو وہ یہی بولے کہ سکینہؓ نے تو کافی عمر پائی اور امام الحسین کی کسی کم عمر بیٹی کا شام کے قید خانے میں وفات پانا کوئی اتنی معتبر روایت نہیں۔ یہ بات ہدایات ناصریہ میں موجود ہے۔ پس اس خبر کی تصدیق ہم نہیں کر سکتے اور اسکے ذرائع ضعیف ہیں۔

امام الحسین (ع) کی دونوں بیٹیوں کے حالات مندرجہ بالا انساب کی تالیفات کے مطابق کچھ یوں ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ بنت الحسین کی پہلی شادی حسن مثنیٰ ابن الحسن ابن علی ابن ابیطالب سے ہوئی اور ان کے انتقال کے بعد حضرت عثمان کے پوتے عبداللہ ابن عمرو سے بیاہ ہوا۔ پہلی شادی سے عبداللہ پیدا ہوئے اور دوسری شادی سے محمد۔

جناب سکینہؓ بنت الحسین کا نکاح اول ابوبکر عبداللہ ابن الحسن ابن علی ابن ابیطالب سے ہوا جو کربلا میں شہید ہو گئے۔ بعد میں شادی

مصعب ابن الزبیر سے ہوئی جس سے ایک بیٹی ہوئی۔ پھر ایک شخص عبداللہ ابن عثمان ابن عبداللہ ابن حکیم ابن حزام سے شادی ہوئی جس سے بیٹے عثمان اور حکیم پیدا ہوئے۔ حضرت سکینہؑ کا انتقال مدینہ میں ۱۷ھ میں ہوا۔

ہمارے آئمہ کے علاوہ بھی دیگر سادات اپنی بیٹیوں کی شادیاں امویوں، زبیریوں اور عباسیوں میں کر دیا کرتے تھے۔ خود وہ بھی مخالفین میں شادیاں کرتے تھے۔ ہمارے آئمہ نے بھی سنی خواتین سے نکاح کیا اور بعض ایسی ناصبی عورتوں سے بھی عقد کیا جنہوں نے علی (ع) کا بغض ظاہر نہیں کیا تھا۔ پس شادی بیاہ کے معاملے میں اس دور کے شیعوں کا رویہ اکیسویں صدی کے پاکستانی شیعوں سے بالکل ہی الگ تھا۔ اس کا ثبوت کتب حدیث (ہم شیعوں کی) اور تاریخ (سنیوں کی) ہیں۔

محرم کی رسومات

محرم کی رسومات کو لے کر بھی پاکستانی و ہندوستانی شیعوں میں کافی غلط نظریات پائے جاتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ امام الحسین (ع) کی شہادت کا غم منانا ضروری ہے اور عزاداری باعث ثواب ہے۔ لیکن عزاداری کا جو طریقہ آجکل دنیا میں رائج ہے یہ آئمہ کے زمانے میں نہیں تھا۔ آئمہ سے مروی روایات کی روشنی میں صرف یہ اعمال ثابت ہیں:

ا) غم حسین میں رونا

ب) مجالس حسینی برپا کرنا

ج) مصائب سنا کر دوسروں کو رلانا

د) غم حسین میں نوحہ و مرثیہ پڑھنا

ہ) لوگوں کو اہل بیت کے فضائل سنانا

ہمارے آئمہ غم حسین میں یکم محرم سے دس محرم تک ماتمداری کرتے تھے۔ دس محرم کے بعد غم منانا ثابت نہیں ہے۔ ہندوستان میں یہ عجیب بدعت پیدا ہوگئی ہے کہ یکم محرم سے آٹھ ربیع الاول تک غم مناؤ۔ اتنا لمبا ماتم دنیا میں کہیں بھی نہیں ہوتا۔ اکثر شیعہ اربعین حسینی تک غم کی حالت میں رہتے تھے اور اس کے بعد ماتمداری روک دی جاتی ہے۔ ہندوستانیوں کے یہاں جو تصور پایا جاتا ہے کہ قافلہ حسینی آٹھ ربیع الاول کو شہر مدینہ لوٹا، یہ تاریخی طور پر غلط ہے۔ اسیران حرم کا یزید لعین کی قید سے آزاد ہو کر اربعین کے دن کربلا پہنچنا بھی کسی روایت سے ثابت نہیں۔ کیونکہ یکم صفر کو تو آل محمد کا قافلہ درباری یزیدی میں پیش کیا گیا تھا۔ پھر اہل بیت نے کچھ عرصہ جیل میں گزارا اور جب شام سے مدینہ کی جانب نکلے تو ربیع الاول گزر چکا تھا۔ لہٰذا آٹھ ربیع الاول کی تاریخ تک ماتمداری کرنا ایک خودساختہ رسم ہے۔

پھر یہ کہ محرم کے دنوں میں ذوالجناح کی شبیہ برآمد کرنا اور قاسم کی مہندی نکالنا یہ سب رسومات کلچر کی پیداوار ہیں، ان کا اہل بیت کی تعلیمات کے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں۔ خود کو زنجیریں مارنا اور خون کا ماتم کرنا بھی ایک ایسی بدعت ہے جس کے حق میں بعض علمائے شیعہ نے فتاویٰ ضرور دیے ہیں لیکن کوئی ایک بھی معتبر روایت ان کاموں کے متعلق ہماری کتب میں موجود نہیں۔

نماز کا سلام پھیرنا

سنی نماز کے بعد دائیں بائیں دیکھ کر سلام پھیرتے ہیں۔ اکثر شیعوں کا خیال ہے کہ یہ عمل بدعت ہے۔ حالانکہ مسائل علی ابن جعفر کے مطابق امام موسیٰ الکاظم (ع) نے اس عمل کو درست قرار دیا۔ نماز کے بعد پیش امام سامنے دیکھ کر سلام پھیرے گا اور مقتدی دائیں بائیں دوسرے نمازیوں کو دیکھ کر سلام پھیریں گے۔ یہ عمل سنت ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یعنی اگر آدمی السلام علیکم بول کر دائیں دیکھے اور پھر السلام علیکم بول کر بائیں دیکھے تو یہ ایک مستحب عمل ہے۔ نماز سلام پھیرنے پر ختم ہوتی ہے، تین مرتبہ سبحان اللہ کہنا نماز کا حصہ نہیں بلکہ نماز کے بعد پڑھنی جانے والی دعاؤں (**تعقیبات**) میں سے ایک عمل ہے۔

نماز پڑھ کر دائیں بائیں موجود نمازیوں سے مصافحہ کرنا بدعت ہے۔

عاشوراء کا روزہ

شیعوں کے درمیان نجانے کیوں یہ مشہور ہو چکا ہے کہ عاشوراء کے دن روزہ رکھنا بنو امیہ کی بدعت ہے۔ بنو امیہ اس دن عید مناتے تھے اور عید کے دن روزہ نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ کوئی ناصبی اس دن روزہ رکھے۔ پھر یہ کہ شیعہ روایات کی رو سے اس دن کے روزے کی مذمت بھی ثابت ہے اور استحباب بھی۔ یعنی یہ اختلافی روایات ہیں؛ بعض میں ہے کہ دس محرم کا روزہ رکھنا بہت اچھا عمل ہے لیکن دیگر روایات کی رو سے اس دن کا روزہ رکھنا حرام ہے۔ شیعہ فقہاء کی اس موضوع پر پانچ آراء ہیں:

ا) اس دن کا روزہ مستحب ہے۔

ب) عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

ج) دس محرم کا روزہ رکھنا مطلق حرام ہے۔

د) اگر غم حسین میں روزہ رکھا جائے تو جائز ہے۔

ہ) روزہ نہیں رکھا جائے بلکہ فاقہ کیا جائے اور بوقت عصر افطار کرلو۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دس محرم کا روزہ رکھنے کا حکم حضور اکرم (ص) کی جانب سے تھا اور بعد میں رمضان کے روزوں نے اس وجوب کو ختم کر دیا۔ آیت اللہ الخوئیؒ کے نزدیک جو روایات عاشوراء کے روزے کی مذمت میں وارد شدہ ہیں وہ سب سنداً ضعیف ہیں اور جو روایات اس روزے کے حق میں ہیں وہ سنداً صحیح ہیں۔ چنانچہ سندی منہج کے لحاظ سے تو اس دن کا روزہ رکھنا جائز ہے۔ بس اس مسئلے میں شیعہ فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جس کا سبب روایات کا آپس میں ٹکرانا ہے۔

مزید یہ کہ یہودیوں کے یہاں سال کے پہلے مہینے کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھا جاتا ہے جس کو یوم کپور کا روزہ کہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس موضوع پر صحیح بخاری کی روایات غلط نہیں اور ان میں کچھ حقیقت ضرور ہے۔

عصمت عباسؓ وزینبؓ

امام الحسین (علیہ السلام) زمین پر اللہ کی حجت تھے اور تمام لوگوں کے خلیفہ تھے۔ امت مسلمہ پر آپ کی اطاعت واجب تھی اور جن لوگوں نے آپ سے جنگ کی وہ ملعون قرار پائے۔ اللہ کی لعنت ہو یزید، ابن زیاد، عمر ابن سعد اور دیگر دشمنان اہل بیت پر! اس ہی طرح جو لوگ آپ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے وہ اولیاء اللہ تھے جنہوں نے وقت کے امام کا ساتھ دیا۔

امام الحسین (ع) کے بھائی عباسؓ اور بہن زینبؓ کا درجہ بھی عام مومنین سے بلند ہے۔ لیکن کیا یہ دونوں معصوم تھے؟ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ متقدمین شیعہ میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ دونوں شخصیات درجہ عصمت پر فائز تھیں؟ صفوی دور کے بعد بعض علماء نے اپنی طرف سے عصمت کبریٰ اور عصمت صغریٰ کی اصطلاحات ایجاد کر لیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

چنانچہ اصحاب الحسین کا احترام ضرور کریں لیکن کسی شخص کو اپنی طرف سے معصوم قرار مت دیں۔

نہج البلاغہ

پاکستان میں کسی بھی شیعہ سے پوچھ لیں کہ قرآن مجید کے بعد ہماری معتبر ترین کتاب کون سی ہے۔ وہ جواب میں نہج البلاغہ کا نام لیں گے۔ دوسری طرف سنیوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ نہج البلاغہ اور اس کی شرح جو ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھی ان دونوں کو ہم شیعوں کی مقدس ترین کتابیں خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ شیعوں کی معتبر ترین کتب حدیث تو کافی، فقیہ، استبصار اور تہذیب الاحکام ہیں۔ وسائل شیعہ کو بھی ہماری ایک انتہائی معتبر کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

نہج البلاغہ بلاشبہ ایک انتہائی اہم کتاب ہے۔ اس کے مصنف سید الرضیؒ ایک ثقہ عالم دین ہیں۔ لیکن انہوں نے اس کتاب کو محض اس مقصد سے تالیف کیا تھا کہ امیر المومنین (ع) سے منسوب فصیح و بلیغ خطبات کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ اس کتاب میں موجود زیادہ تر خطبات سنی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ سنی کتابوں میں موجود چیزیں عقائد و فقہ میں حجت نہیں۔ ہاں، تاریخی معاملات میں قابل اعتبار ضرور ہے اور فقہی معاملات میں سنیوں کی تالیفات کو بطور شواہد بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حجت ہم پر صرف وہی چیز ہے جو شیعہ کتابوں میں موجود ہو اور بسند معتبر ثابت ہو۔ چنانچہ نہج البلاغہ کا اکثر حصہ ضعیف السند ہے۔

اخباری واصولی کا فرق

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اخباری غالی کو کہا جاتا ہے کیونکہ اکثر لوکل غلاۃ خود کو اخباری بتاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں اور یہ غلاۃ محض اخباری علماء پر بہتان باندھتے ہیں۔ اخباری وہ شیعہ ہیں جو اجتہاد کو حرام کہتے ہیں، ظاہر قرآن کو حجت نہیں جانتے اور کتب اربعہ میں موجود تمام روایات کو حجت سمجھتے ہیں۔ اخباری ایک زمانے میں شیعوں کی اکثریت تھے۔

اصولی وہ لوگ ہیں جو اجتہاد کو جائز کہتے ہیں، ظاہر قرآن کی حجیت کے قائل ہیں، عقل کو بھی حجت مانتے ہیں، اجماع کی اہمیت کے بھی قائل ہیں اور خبر واحد کی حجیت کا البتہ انکار کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ اصولی علمائے شیعہ کتب اربعہ میں موجود ہر حدیث کو حجت نہیں مانتے۔ پس اصولی علماء کے نزدیک علم رجال حدیث کی بڑی اہمیت ہے۔

ماضی میں شیعہ علماء کی اکثریت اخباری تھی۔ چنانچہ شیخ صدوقؒ اپنی کتاب فقیہ میں لکھی ہر حدیث کو حجت کہتے تھے۔ اس ہی طرح علامہ مجلسیؒ کا تعلق اخباری مکتب فکر سے تھا۔ وسائل شیعہ کے مصنف شیخ الحر العاملیؒ، الوافی کے مصنف فیض الکاشانیؒ، مستدرک الوسائل کے مصنف حسین نوری طبرسیؒ اور دیگر کئی جلیل القدر علمائے شیعہ بھی اخباری ہو گزرے ہیں۔

اصولی اور اخباری دونوں ہی شیعہ ہیں۔ شیخی فرقہ غالیوں کا ایک گروہ ہے۔ اللہ تمام شیعہ علماء پر رحمتیں نازل کرے!

اذان و اقامت میں شہادت ثالثہ

آجکل اذان اور اقامت میں شہادت ثالثہ کو واجب کی طرح پڑھا جاتا ہے اور علمائے شیعہ اس کو مستحب جانتے ہیں۔ البتہ متقدمین شیعہ کا نظریہ اس کے بالکل ہی خلاف تھا۔ متقدمین شیعہ اذان اور اقامت میں علی ولی اللہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ شیخ صدوقؒ کا فتویٰ اس بارے میں موجود ہے۔ شیخ طوسیؒ نے بھی اپنی دو کتابوں میں اس عمل کو باطل قرار دیا ہے۔ بعد کے شیعہ علماء نے بھی اس عمل کی مخالفت کی اور کہا کہ اذان اور اقامت میں فقط دو شہادتیں ہی جائز ہیں۔

ہزار سال بعد صفوی خاندان کے بادشاہوں نے اس کو اذان اور اقامت کا جزو قرار دیا۔ انہوں نے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے حکم دیا کہ ایران کا ہر باشندہ شیعہ مسلک قبول کرے۔ انہوں نے شیعہ علماء پر بھی زبردستی کی کہ دین میں جو کچھ ہم نے داخل کیا ہے اس پر عمل کرو ورنہ جان سے جاؤ گے۔ یہ واقعہ علامہ مجلسیؒ کے والد تقی مجلسیؒ کے عہد کا ہے۔

پس اس کے بعد اذان اور اقامت میں شہادت ثالثہ کو مستحب سمجھ لیا گیا۔ بعض علماء نے مخالفت جاری رکھی جیسے کہ جناب مقدس اردبیلیؒ جنہوں نے کہا کہ اگر ہم اذان میں علی ولی اللہ کو شامل کردیں تو بھلا خلیفہ ثانی پر اعتراض کیسا جنہوں نے الصلوٰۃ خیر من النوم کو اذان کا حصہ بنا دیا؟! لیکن رفتہ رفتہ یہ ٹرینڈ شیعوں میں اس قدر مشہور ہو گیا کہ شہادت ثالثہ کو گویا واجب سمجھ لیا گیا ہو۔ پس اس معاملے میں متقدمین شیعہ کی رائے کو آج بالکل ہی ترک کر دیا گیا ہے۔

شرک، غلو اور تفویض جیسے عقائد

آدمی کے اعمال کی قبولیت کا معیار اس کا عقیدہ ہے۔ جس شخص کا عقیدہ بگڑ گیا اس کا عمل قبول نہیں ہوگا۔ اللہ کی نگاہوں میں شرک سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ پس کیا کسی شیعہ کو زیبا دیتا ہے کہ وہ شرکیہ عقائد اختیار کرے اور توحید کا دامن چھوڑ دے؟

افسوس، اس دور میں کافی سارے شیعوں نے شرکیہ عقائد اختیار کر لیے ہیں۔ وہ غلو اور تفویض جیسی کفریات میں مبتلا ہیں۔ لیکن ان

بیچاروں کوانداز ہ ہی نہیں کہ انکے یہ نظریات کس قدر خطرناک ہیں۔غلو کا مطلب ہے آئمہ اہل بیت کو خدا کہنا۔تفویض ہے ان کو رب کہنا اور خدا کا شریک قرار دینا۔غالی ہمارے آئمہ کو اللہ سمجھتے تھے جیسے کہ عبداللہ ابن سبا، ابوالخطاب اور یونس ابن ظبیان۔مفوضہ ہمارے آئمہ کو رب سمجھتے تھے جیسے کہ مفضل ابن عمر و اور محمد ابن سنان۔ان لوگوں سے ہمارے آئمہ نے برائت کی اور ان سب غلاۃ کی مذمت رجال الکشی جیسی کتابوں میں موجود ہے۔رجال الکشی کا اردو ترجمہ انٹرنیٹ سے مل جائے گا۔

چنانچہ اگر کوئی شخص آئمہ اہل بیت کو اللہ قرار دے، انہیں خالق و رازق تسلیم کرے یا کسی بھی صورت میں انکی ربوبیت کا قائل ہو تو وہ بدعقیدہ ہے۔مثال کے طور پر آئمہ کو آدم (ع) کا خالق کہنا صریحاً کفر ہے۔علم الغیب کو معصومین سے منسوب کرنا جائز نہیں۔جس نے کہا کہ آئمہ ہمیں رزق دیتے ہیں اس نے کفر بکا۔خود آئمہ نے ان تمام عقائد کی مذمت کی ہے اور غلاۃ پر لعنت کی ہے۔کئی معتبر السند روایات غلاۃ کی مذمت اور آئمہ کی ربوبیت کی نفی میں موجود ہیں جنہیں پڑھا جا سکتا ہے۔

معلوم رہے کہ متقدمین شیعہ کے نزدیک معجزہ فعل خدا ہے، فعل پیغمبر یا فعل امام نہیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ (ص) نے چاند کے دو ٹکڑے کیے تو وہ اللہ تھا جس نے چاند کے دو ٹکڑے کیے اور یہ معجزہ فقط رسول اللہ (ص) کے دست مبارک پر ظاہر ہوا۔ یہ کہنا کہ معجزہ فعل امام ہوتا ہے، متاخرین کا قول ہے۔ چنانچہ متاخرین نے ولایت تکوینیہ کی اصطلاح ایجاد کی جس پر کوئی دلیل نہیں۔تکوینی ولایت کا نظریہ تو فقط تفویض کی ہی ایک صورت ہے۔روایات اہل بیت اور کلام متقدمین کے مطابق تکوینی امور محض اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں اور اس ولایت میں کسی بھی پیغمبر یا امام کا کوئی حصہ نہیں۔ چنانچہ تکوینی و غیبی امور میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو پکارنا شرک ہے۔صرف اللہ کو پکارنا جائز ہے۔اللہ کے علاوہ کسی اور سے غیبی و تکوینی امور میں استمداد کرنا ٹھیک نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت آئمہ معصومین کو وسیلہ بنانا اور ان حضرات کی شفاعت طلب کرنا ٹھیک ہے۔ایسا کرنا احادیث سے بھی ثابت ہے۔لیکن استمداد اور استغاثہ کے حق میں محض شاذ روایات ہی موجود ہیں جن کی بنیاد پر کوئی عقیدہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ان روایات کا ظہور بھی متقدمین شیعہ کے بعد ہوا لہٰذا استمداد سے پرہیز کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

کیا امام پیدائشی امام ہوتا ہے؟

کیا ایک نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے؟ کیا ایک امام اپنی ولادت سے وفات تک امام ہوتا ہے؟ اس معاملے میں پاکستانی شیعوں میں جو نظریہ مشہور ہے وہ معتبر نہیں۔ جو کچھ احادیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایک نبی وحی اترنے کے بعد مبعوث ہوتا ہے۔ وحی اترنے سے قبل وہ شرعی امور سے واقف نہیں ہوتا۔ وحی اترنے کے بعد اس کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔البتہ ایک نبی میں پیدائشی طور پر بعض ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو اس کی نبوت کا عندیہ دیں اور لوگوں کو اس کی طرف مائل کریں۔

اس ہی طرح ایک امام جو کہ در حقیقت ایک محدث (یعنی وہ شخص جس سے ملائکہ کلام کریں لیکن وہ انہیں دیکھے نہیں) ہے وہ بھی اپنی پیدائش سے امام نہیں ہوتا۔ایک امام میں پیدائشی طور پر بعض خصائل ضرور ہوتے ہیں جیسے کہ اس کا مختون پیدا ہونا، پیدائش کے بعد اللہ کی حمد

بیان کرنا اور علم لدنی سے مالا مال ہونا۔ لیکن امام کو تمام شرعی مسائل کا علم پچھلے امام کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ اس ہی طرح ایک امام پر ہر شب جمعہ نئے علوم کا نزول ہوتا ہے۔ ہمارے آئمہ کے علم کے تین ماخذ ہیں:

ا) علم لدنی کا ہونا

ب) وراثت محمدی کا ملنا

ج) علم الغیب سے کچھ لینا

ایک امام کو پچھلے امام کے انتقال کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام ہے۔ ان سب باتوں کی تصدیق کے لیے اصول کافی کھولیں اور کتاب الحجت کا مطالعہ کریں۔ انشاء اللہ، یہ سب معاملات آپ پر منکشف ہو جائیں گے! روایات کی رو سے ایک وقت میں کبھی دو امام نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ ان میں سے ایک ناطق (بولنے والا) ہو اور دوسرا صامت (خاموش)۔ لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ امام الحسین (ع) اپنے بھائی کے انتقال کے بعد امام بنے۔ کیونکہ امام الحسن (ع) کی وفات کے بعد ہی آپ پر تمام شرعی مسائل منکشف ہوئے۔ اس مسئلے پر بھی ہمارے پاس کافی روایات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر امیر المومنین (ع) کا مذی کا مسئلہ دریافت کرنے کے لیے مقدادؓ کو رسول اللہ (ص) کے پاس بھیجنا، امام الحسن (ع) کا جنگ جمل میں نہ لڑنے کا مشورہ دینا، امام الحسین (ع) کا امیر شام معاویہ سے صلح کرنے پر تحفظات کا اظہار کرنا، امام سجاد (ع) کا حرم کی گھاس کاٹنے سے امام الصادق (ع) کو منع کرنا اور امام الصادق (ع) کا اپنے والد کے ایک فتویٰ پر احترام کے ساتھ اعتراض کرنا۔ ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ ایک امام کو پچھلے امام کے انتقال سے قبل تمام شرعی مسائل کا علم نہیں ہوتا۔ ایک نبی یا امام کا علم اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے؛ جب اللہ انہیں بتائے تو یہ جان لیتے ہیں اور اگر نہیں بتائے تو یہ انتظار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا ٹھیک ہے ایک امام پیدائشی طور پر کاملاً امامت کے منصب پر فائز نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم!

افطاری کا صحیح وقت

افطاری کا صحیح وقت کیا ہے؟ عہد حاضر میں شیعوں کی اکثریت سنیوں کے دس منٹ بعد افطار کرتی ہے۔ لیکن کیا یہ طریقہ ہمارے متقدمین کے درمیان بھی رائج تھا؟ روایات میں اس کے متعلق ہمیں کیا کچھ ملتا ہے؟

روایات کی مطابق افطار کرنے کے دو مختلف اوقات ہیں۔ ایک قسم کی روایات کے مطابق جب سورج غروب ہو جائے تو افطار کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ البتہ دوسری قسم کی روایات کی رو سے سورج ڈھلنے کے بعد سرخی زائل ہونے کا بھی انتظار کیا جائے گا۔ یہ دونوں ہی روایات مواتر ہیں چنانچہ علمائے شیعہ کے درمیان ان کو لیکر اختلاف پایا جاتا ہے۔

علماء کے ایک گروہ نے کہا کہ پہلی قسم کے روایات تقیہ کی حالت میں ارشاد کی گئیں اور چونکہ اہل سنت کا یہی طریقہ کار ہے کہ سورج غروب ہونے پر روزہ کھولا جائے تو پھر انکی مخالفت کی غرض سے ہم دوسری قسم کی روایات پر عمل کریں گے۔ لیکن علماء کے دوسرے گروہ نے کہا کہ دوسری قسم کی روایات آئمہ نے ان لوگوں کے لیے دیں تھی جو پہاڑوں پر رہتے تھے اور اصل حکم یہی ہے کہ سورج کی ٹکیہ غائب

ہوجانے پر روزہ ختم کیا جائیگا۔ پس یہ گروہ اہل سنت کے ساتھ افطاری کرنے کا قائل ہے۔

اب مقلدین کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے مراجع کی اتباع کریں لیکن یاد رکھیں کہ یہ دونوں روایات ہماری ہی کتب میں موجود ہیں اور علمائے شیعہ کا ایک گروہ سنیوں کے ساتھ افطاری کرنے کو صحیح سمجھتا ہے۔ اس فقہی اختلاف کا احترام کریں اور سنیوں کو طعنہ مت دیں کہ تم تو دس منٹ پہلے روزہ توڑ لیتے ہو۔ ہر عالم دین کا اپنا ایک الگ منہج ہوتا ہے۔

دجال اور سفیانی

اہل سنت کے یہاں دجال کے کردار کو آخری زمانے میں شیطانی قوتوں کے سردار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ ہم شیعوں کے یہاں بھی دجال کے متعلق روایات منقول ہیں لیکن ان احادیث کی بھاری تعداد سنیوں سے مروی ہے۔ شیعہ روایات کی اکثریت میں سفیانی کی طرف اشارہ ملتا ہے جو امام مہدی (ع) کے ظہور سے کچھ عرصہ قبل خروج کرے گا اور نو مہینے حکومت کرنے کے بعد مر جائے گا۔ سفیانی کا ظہور امام زمانہ (علیہ الصلوٰت والسلام) کی واپسی کی سب سے بڑی علامت ہوگی۔

چنانچہ جس طرح سنیوں میں دجال ہے، ہمارے یہاں سفیانی ہے۔ یہ شخص امام مہدی (ع) کے قیام کے کچھ عرصے بعد ہی قتل ہو جائے گا۔ سفیانی کے ساتھ ساتھ سید الحسنیؒ کا بھی ظہور ہوگا جو امام زمانہ (ع) کے دست راست ہوں گے۔ پس ان روایات کو سمجھنا اور جاننا بہت ضروری ہے تا کہ شیعہ مومنین اپنے امام منتظر کے استقبال کی تیاریاں کر سکیں۔

صحابہ کرام کے فضائل

اصحاب رسول کے متعلق سنیوں اور شیعوں دونوں کے یہاں بہت ساری غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جنکا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ میں یہاں پہلے سنیوں پر تنقید کرتا چلوں اور بتاؤں کہ صحابہؓ کے متعلق وہ کس قسم کے غلو میں مبتلا ہیں۔ سنیوں کا یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں یا تنقید سے بالاتر ہیں۔ ہم شیعوں کے نزدیک جس طرح تابعین، تبع تابعین اور دیگر اسلاف صالحہ پر تنقید ہوتی ہے اور رجال کی کتابوں میں انہیں ثقہ وضعیف جیسی اقسام میں رکھا جاتا ہے، صحابہ کرام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اسی طرح کوئی صحابی تنقید سے بالاتر نہیں اور مشاجرات صحابہ پر کلام کرنا بالکل درست ہے۔ سنی علماء نے مشاجرات صحابہ کو ایک ممنوع موضوع قرار دیا لیکن ہم شیعوں کا ماننا ہے کہ یہ ایک ممنوع موضوع نہیں ہے۔ چنانچہ ہم مشاجرات صحابہ پر بات کرتے ہیں اور مخالفین امیر المومنین پر تنقید کرتے ہیں۔

سنیوں کو جان لینا چاہئے کہ شیعوں کا اصحاب رسول کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو عقیدہ ہم اپنے آئمہ کے صحابہ کے متعلق رکھتے ہیں۔ ہماری رجال کی کتابوں میں ہمارے آئمہ کے اصحاب پر بھی تنقید موجود ہیں۔ آپ رجال الکشی، رجال نجاشی اور شیخ طوسیؒ کی دونوں کتابوں کو اٹھا کر دیکھ لیں۔ ابان ابن ابی عیاش سے لے کر محمد ابن نصیر نمیری تک کتنے ہی لوگوں پر ضعیف، فاسد العقیدہ اور جھوٹا ہونے کا الزام ہے کیونکہ ہم کسی شخص کو محض ایک معصوم کا صحابی ہونے کی بناء پر تنقید سے بالاتر قرار نہیں دیتے۔ الحمدللہ!

بلکہ اصحاب آئمہ ہی کیا، ہماری کتابوں میں تو ہمارے آئمہ کے بعض بیٹوں جیسے کہ عبداللہ ابن جعفر، زید ابن موسیٰ اور امام زمانہ کے چچا جعفر الکذاب تک کی مذمت موجود ہے۔ عدالت کا دارومدار آدمی کا صراط مستقیم پر قائم رہنا ہے۔ چنانچہ مفضل ابن عمر اور معلیٰ ابن خنیس کو لیکر یہی تو بحث ہے کہ آیا یہ دونوں غلو کی حالت میں فوت ہوئے یا آگے چل کر تائب ہو گئے تھے۔ سلیمان ابن خالد زیدی تھے لیکن بعد میں بارہ امامی بن گئے۔ ابوالخطاب کا ساتھی ابوخدیجہ غالی تھا لیکن بعد میں صراط مستقیم پر لوٹ آیا۔ امام موسیٰ الکاظم (ع) کے بعض وکلاء آپ کے انتقال کے بعد واقفی ہو گئے تا کہ خمس کا سارا مال اپنے پاس رکھ لیں۔ صحیح العقیدہ انسان کسی وقت گمراہ بھی ہوسکتا ہے اور بدعقیدہ انسان کبھی ہدایت کی طرف سے پلٹ آتا ہے۔ ثقہ و عادل تو محض وہ راوی ہے جس کا انتقال ایمان کی حالت میں ہو۔

پس یہی ہمارا عقیدہ اصحاب رسول اللہ کے متعلق ہے۔ جن صحابہ نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اس کا اجر اللہ رب العزت کے ذمہ ہے۔ لیکن اگر ان لوگوں نے رسول اللہ (ص) کے انتقال کے بعد اہل بیت کے ساتھ وفا نہیں کی اور حضرت علی (ع) کی جگہ خلافت کا منصب سنبھال لیا تو پھر ان پر تنقید کی جائے گی۔ علی (ع) کی ولایت کا انکار کرنے کا مطلب ہے تمہارے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ علی (ع) کی ولایت کا منکر چاہے زندگی بھر جتنی بھی نیکیاں کر کے لائے وہ سب بیکار ہیں۔ کیونکہ علی (ع) کی ولایت ہی اعمال کی قبولیت کی ضمانت ہے۔ چنانچہ مہاجرین وانصار کی قربانیوں کی قبولیت کی ضمانت بھی ولایت علی ہے۔

شیعوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے عقیدے کے متعلق صحابہ کرام میں بہت سے اچھے لوگ بھی تھے۔ ان لوگوں کے نام ہماری کتب رجال میں مذکور ہیں۔ ان اصحاب کی تعریف بھی آئی ہے اور ان پر رحمت کی دعا بھی کی گئی ہے۔ سنیوں کے پہلے تین خلفاء کے متعلق ہمارا عقیدہ وہی ہے جو ہر دور کے رافضی کا رہا ہے۔ علی (ع) کی موجودگی میں کوئی دوسرا خلیفہ ہمیں پسند نہیں۔ ہم شیعہ ابوبکر، عمر اور عثمان کی امامت کے قائل نہیں۔ سنیوں کے نزدیک وہ تینوں امام ہیں بالخصوص ابوبکر اور عمر جنہیں شیخین کہا جاتا ہے۔ شیخین کی امامت کا منکر سنیوں کے نزدیک ایک طرح سے مسلمان ہی نہیں۔ اس ہی طرح ہمارے نزدیک علی (ع) اور اولاد علی میں سے گیارہ لوگ یہ سب کے سب امام ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی بھی امامت کا منکر بباطن کافر ہے۔ کیونکہ جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔ پس سنی شیعہ عقیدے میں فرق یہی ہے کہ رسول اللہ (ص) کے بعد ہمارا امام کون ہے۔

امام الحسن (ع) کی شادیاں

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ امام الحسن (ع) کے متعلق بنوامیہ نے جعلی روایتیں گھڑ دیں جن میں لکھ دیا کہ وہ بہت زیادہ طلاقیں دیا کرتے تھے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ کثیر الطلاق یا مطلاق ہونا کوئی ایسی عیب والی بات نہیں۔ عرب کلچر میں اس طرح طلاق دینا عام تھا۔ لوگ کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔ چنانچہ امام الحسن (ع) کا بہت زیادہ طلاقیں دینا کوئی ایسی بری چیز نہیں۔ یہ بس ہندوؤں سے ساتھ بہت زیادہ میل جول رکھنے کا اثر ہے کہ لوگ کثیر النکاح ہونا پسند نہیں کرتے اور طلاق دینے کو موت سے بدتر خیال کرتے ہیں۔

امام الحسن (ع) رسول اللہ (ص) کے نواسے تھے چنانچہ ہر عرب چاہتا تھا کہ اسکی بیٹی سبط پیغمبر کی بیوی ہونے کا شرف حاصل کر

لے کیونکہ ایسا کرنے سے بعد میں اس لڑکی کو کافی اچھے رشتے مل سکتے تھے۔جس کسی نے عرب کلچر کا مطالعہ کیا ہے اور اسلاف صالحہ کے دور کے معاشی اصولوں سے واقف ہے اسکے لیے یہ ایسی کوئی انہونی بات نہیں۔آج ہمارے کلچر میں ایسا نہیں ہوتا اور لوگ شادی کے لیے کنواری لڑکی ہی پسند کرتے ہیں۔لہٰذا امام الحسن (ع) کو موجودہ کلچر کے معیار پر نہ پرکھا جائے۔

ہماری کتب میں ایسی احادیث موجود ہیں جن میں امام الحسن (ع) کے کثیر الطلاق ہونے کا ذکر ملتا ہے۔اس کی وجہ کلینیؒ نے یہ لکھی ہے کہ آپ جس بیوی کے اخلاق سے مطمئن نہ ہوتے تھے اسے طلاق دے دیا کرتے تھے۔یہ طلاق دینے کی ایک جائز وجہ ہے۔امام الحسن (ع) ایک عرب سردار تھے اور اس دور میں سرداروں کے درمیان کثرت سے نکاح کرنے کا رواج تھا۔یہ تو رسول اللہ (ص) کا ہی ارشاد ہے کہ عورتوں سے محبت کرنا ایمان کا حصہ ہے۔نکاح حضور (ص) کی سنت ہے اور طلاق ایک جائز چیز ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ امیر المومنین (ع) نے کوفیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ الحسن سے بیاہ مت کرو کیونکہ وہ کثیر الطلاق ہے۔لیکن جواب میں لوگوں نے کہا کہ ہم تو الحسن کو دامادی میں لیں گے کیونکہ وہ نواسہ رسول ہیں پھر ان کی مرضی چاہے تو ہماری بیٹی کو رکھیں چاہے تو اسے طلاق دے دیں۔اس دور کے عرب کلچر کے لحاظ سے یہ ایک انتہائی نارمل بات تھی۔یہی وجہ ہے کہ شیعہ محدثین نے اس قسم کی روایات کو نقل کیا اور فقہاء نے ان کی بناء پر فتاوٰی دیے۔پس معلوم ہوا کہ کثیر الطلاق ہونا کوئی عیب والی بات نہیں۔

اگر ہندوستانی کلچر یا مغربی کلچر کی بنیاد پر ہی اسلامی شخصیات کو پنپنا ہے تو پھر کل کو تو آپ متعہ اور لونڈی کی حلت کا بھی انکار کر دیں گے۔ہمارے آئمہ کے پاس لونڈیاں تھیں اور شیعوں کو متعہ کی اجازت بھی دی گئی ہے۔کیا آپ ان تمام کاموں کا انکار صرف اس بناء پر کر دیں گے کہ آجکل کے دور میں یہ سب چیزیں درست خیال نہیں کی جاتیں؟ اسلام میں بچی نو یا دس سال کی عمر میں بالغ اور نکاح کے لائق ہو جاتی ہے۔مغرب کہتا ہے کہ دس سال کی بچی سے نکاح کرنا قانوناً جرم ہے اور پیڈوفیلیا کے زمرے میں آتا ہے۔تو کیا آپ اس اصول کی بناء پر ماضی میں ہونے والی شادیوں کو ناجائز قرار دے دیں گے؟ خدارا، عقل کو ہاتھ مارو اور کلچر کا مطالعہ کرو!

بیت المقدس کا درجہ اور کوفہ

سنیوں کے یہاں بیت المقدس کا درجہ بہت بلند ہے۔یروشلم کا شہر مکہ اور مدینہ کے بعد سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت المقدس ایک زمانے میں مسلمانوں کا قبلہ ہوا کرتا تھا۔لیکن کیا شیعوں کے یہاں بھی یروشلم کو لیکر یہی رائے پائی جاتی ہے؟ اگر دیکھا جائے تو ہماری روایات میں مکہ اور مدینہ کے بعد کوفہ و کربلا کا درجہ سب سے بلند ہے۔مسجد اقصیٰ کے یروشلم میں ہونے کے متعلق جو روایات ہماری کتب میں موجود ہیں وہ سب عامہ کے طرق سے آئی ہیں اور ہم پر حجت نہیں۔تو مسجد اقصیٰ کی کیا حقیقت ہے؟

مسجد اقصیٰ کا محل وقوع ہماری روایات کے نزدیک شام میں نہیں ہے بلکہ سرے سے زمین پر ہی نہیں ہے۔آئمہ معصومین نے فرمایا ہے کہ مسجد الاقصیٰ عرش پر خانہ کعبہ کے بالکل اوپر واقع ہے جہاں ملائکہ طواف کرتے ہیں۔چنانچہ رسول اللہ کو جس مسجد میں لے جایا گیا تھا وہ تو آسمانوں پر ہے، زمین پر نہیں۔تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی معراج کہاں سے شروع ہوئی؟ اسکے متعلق ہمیں روایات میں ملتا

ہے کہ آپ (ص) کو مسجد کوفہ لے جایا گیا جہاں سے آپ نے آسمان کی سیر کی۔ چنانچہ جو مقام اہل سنت کے یہاں بیت المقدس کو حاصل ہے وہ ہی مقام ہمارے یہاں مسجد کوفہ کو حاصل ہے۔ کوفہ کے بعد کربلا کی بہت اہمیت ہے۔ ہمارے آئمہ نے ہمیں یروشلم جانے کے بجائے مسجد کوفہ کا رخ کرنے کی تاکید کی ہے (اس صورت میں کہ اگر عراق سے سفر شروع کیا جائے کیونکہ کوفہ قریب پڑتا ہے)۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فضیلت

البتہ مکہ و مدینہ کی جو فضیلت سنیوں کے یہاں ہے وہی ہمارے یہاں بھی ہے۔ مکہ مکرمہ معظّمہ اللہ تعالیٰ کا مقدس قطعہ ہے جہاں اس کا پیارا گھر پایا جاتا ہے۔ حج کے موضوع پر وسائل شیعہ کی بیس میں سے تین جلدیں لکھی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہونا چاہئے کہ نماز کے بعد حج کی کیا اہمیت ہے۔ مکہ کی فضیلت میں ہمارے پاس کافی ساری صحیح احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ شیعوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو کبھی بھی فراموش نہ کریں۔ ہر سال حج کرنے جائیں اور مکہ معظّمہ میں قیام کریں۔ لیکن مکہ میں ایک سال سے زیادہ قیام کرنا حرام ہے۔ کچھ عرصے کے بعد لوٹ آئیں تا کہ وہاں جانے کی آرزو تازہ رہے۔

مدینہ منورہ سے محبت کریں کیونکہ وہ اسلام کا گھر ہے اور وہاں فرشتے نازل ہوتے تھے۔ مدینہ ہمارے آئمہ کا مسکن رہا ہے۔ وہاں کافی معصومین کی قبور واقع ہیں اور جنت البقیع موجود ہے۔ مکہ اور مدینہ وہ دو حرم ہیں جن کی حرمت پامال نہیں کی جا سکتی۔ یہیں سے قائم آل محمد کی تحریک کا آغاز ہو گا۔ مکہ میں امام کا ظہور ہو گا، اہل مدینہ بعد میں بیعت کریں گے اور کوفہ آپ کی تحریک کا مرکز قرار پائیگا۔ رسول اللہ (ص) سے محبت کا تقاضہ ہے کہ مکہ و مدینہ سے محبت کی جائے۔

ہاں، مکہ اور مدینہ کے ساتھ ساتھ کربلا، نجف، مشہد، سامراء، قم، بغداد، حلہ اور دیگر شہر بھی کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان شہروں کی بھی زیارت کا کافی ثواب ہے۔ جو آدمی مکہ یا مدینہ کا سفر نہ کر سکے وہ مشہد ہی چلا جائے اور ایک لاکھ سے کم میں مدفن امام علی الرضا (ع) کی زیارت کر لے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیگا۔

سنی کتابوں کا استعمال

سنی کتابوں کا مطالعہ کرنا اچھی بات ہے کیونکہ اس سے ہمیں اپنے دین کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کی تصانیف میں موجود روایات ہمارے یہاں بھی ملتی ہیں اور ان کے بعض رواۃ سے ہم نے بھی احادیث نقل کی ہیں۔ البتہ سنی کتابیں ہم پر حجت نہیں ہیں۔ ان سے عقائد یا شرعی امور کا علم نہیں لیا جا سکتا۔ شیعوں پر افسوس ہے کہ وہ اپنی مجالس میں بخاری مسلم کی احادیث سے آگے ہی نہیں بڑھتے۔ جس کو دیکھو ان ہی کی تالیفات سے روایات نقل کر رہا ہوتا ہے۔ اب حال تو یہ ہو گیا ہے کہ شیعہ عوام کو اپنی کتابوں کے نام تک معلوم نہیں۔

سنی کتابوں سے فضائل اہل بیت نقل کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ آئمہ نے ہمیں اس کام سے منع کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل بیت کے فضائل شیعہ کتب سے بیان کیے جائیں۔ حدیث منزلت ہو یا حدیث غدیر یہ سب روایات ہماری کتابوں میں صحیح اسناد

کے ساتھ موجود ہیں۔ ہمیں سنی حوالوں کی چنداں کوئی حاجت نہیں۔ شیعوں کو خود انحصاری سیکھنی چاہیئے اور ہر وقت سنیوں سے مناظروں میں مشغول رہنے کے بجائے اپنے علم کو بڑھانا چاہیئے۔ یہی آئمہ کی ہمیں وصیت ہے۔

حضرت فاطمہ (ع) کے بہن بھائی

کیا خاتون قیامت فاطمہ الزہراء (سلام اللہ علیہا) اپنے والد کی اکلوتی بیٹی تھیں؟ نہیں، شیعہ روایات میں آپ (صلوٰت اللہ علیہا) کی بہنوں کا ذکر جابجا ملتا ہے۔ افسوس کہ ایک عام پاکستانی شیعہ بی بی (ع) کی بہنوں کے وجود کا انکاری ہے حالانکہ ان بہنوں کا وجود سب محدثین اور متقدمین کے نزدیک ثابت ہے۔ حضرت فاطمہ (ع) کی تینوں بہنیں سب حضرت خدیجہؑ سے تھیں۔

ہماری کتب حدیث کے مطابق رسول اللہ (ص) کے یہاں حضرت خدیجہؑ اور ماریہ قبطیہؑ سے اولاد ہوئی۔ ماریہؑ نے تو ابراہیم کو جنم دیا جو رسول خدا کے آخری فرزند تھے اور کم عمری میں فوت ہو گئے۔ البتہ خدیجہؑ کے یہاں دو بیٹے قاسم اور عبداللہ اور چار بیٹیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ (سلام اللہ علیہم اجمعین) پیدا ہوئیں۔ سوائے فاطمہ کے یہ سب بچے حضور کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے۔

ان بچیوں کے وجود کا تذکرہ ہماری بنیادی کتب میں موجود ہیں۔ شیخ کلینیؒ، شیخ صدوقؒ، شیخ مفیدؒ، شیخ طوسیؒ، سید مرتضیٰؒ اور دیگر کئی علماء نے ان کا ذکر کیا ہے اور وضاحت کی ہے کہ یہ تینوں حضرت خدیجہؑ کی ہی سگی اولاد تھیں۔ لیکن پاکستانی شیعہ (اور کافی عرب و فارسی شیعہ بھی) اس گمان میں مبتلا ہیں کہ فاطمہ (ع) اپنے والد گرامی کی واحد سگی بیٹی تھیں جو کہ دراصل غلاۃ کا قول ہے۔

غلاۃ نے چوتھی صدی ہجری میں مشہور کر دیا کہ حضرت خدیجہؑ نے اپنی بھانجیاں گود لے رکھی تھیں جنہیں رسول اللہ (ص) نے لے پالک بنا لیا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات تاریخی اعتبار سے، ماہرین انساب کے مطابق یا احادیث کی رو سے ثابت نہیں۔ رسول اللہ (ص) نے بعض بچے ضرور گود لیے تھے جیسے کہ زیدؓ ابن حارثہ اور ہندؓ ابن ابی ہالہ لیکن انہیں انکے باپوں کے نام سے ہی پکارا گیا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت خدیجہؑ نے رسول اللہ (ص) سے قبل دو شادیاں کیں تھی۔ ایک شوہر کا نام ابوہالہ ابن زرارہ تمیمی تھا۔ اسکے مرنے پر عتیق ابن عائذ مخزومی سے بیاہ کیا۔ اسکے مرنے پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی زوجیت میں آ گئیں۔ ان شوہروں سے آپکے یہاں اولاد ہوئی۔ ابوہالہ سے بعض بچے ہوئے جیسے کہ حارث اور ہند۔ حارثؓ وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے اسلام کی راہ میں اپنی جان دی اور شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ عتیق سے ہند نامی ایک لڑکی ہوئی جسکا نکاح صیفی ابن امیہ سے ہوا اور ہند نے محمد ابن صیفی کو جنم دیا۔ لیکن سب سے اہم کردار ہندؓ ابن ابی ہالہ کا ہے جو حضرت فاطمہ (ع) کا سوتیلا بھائی تھا اور امام الحسن (ع) نے اس کو ایک روایت میں اپنا ماموں قرار دیا ہے۔ یہ روایت شیخ صدوقؒ نے تین اسناد کے ساتھ نقل کی ہے جو تاریخی اعتبار سے قابل قبول ہیں۔

خدیجہؑ کی بہن ہالہؓ نے اپنی بہن خدیجہ کے انتقال کے بعد بھی کچھ عرصہ گزارا۔ ام المومنین خدیجہؑ کے بھائی حزام اور عوام تھے جن کے بچے صحابی بنے۔ ہالہؓ نے چار شادیاں کیں۔ پہلا نکاح وہب ابن عبید ثقفی سے ہوا، دوسرا نکاح ربیع ابن عبدالعزیٰ ابن عبدشمس سے ہوا، تیسرا نکاح اس کے بھائی ربیعہ سے ہوا اور آخری نکاح قطن ابن وہب مصطلقی سے ہوا۔ ہالہؓ کی اولاد صرف ربیع سے ہوئی۔ یہ ایک بیٹا

تھا جو اپنی کنیت ابوالعاصؓ سے مشہور ہے۔ یہ رسول اللہ (ص) کا پہلا داماد تھا اور اس نے زینبؓ سے نکاح کیا۔ یہ امیرالمومنین (ع) کے خواص میں شامل تھا۔ پس اس کے علاوہ ہالہؓ کے یہاں کسی اور بچے کی ولادت کا ذکر ماہرین انساب نے نہیں کیا۔

اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ خدیجہؓ کے یہاں پچھلے خاوندوں سے فقط ایک ہی بیٹی ہوئی اور وہ صفی کے نکاح میں تھی۔ ہالہؓ نے کسی بیٹی کو جنم نہیں دیا اور اگر دیا بھی ہوتا تو وہ بیٹی ہالہؓ کے دوسرے شوہروں کی لے پالک بنتی، رسول اللہ (ص) کے گھر میں نہیں پلتی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہند ابن ابی ہالہ (رضی اللہ عنہ) کی پرورش رسول اللہ (ص) کے گھر ہوئی اور اسنے حضور کے خصائل بیان کیے۔ پس یہ کہنا کہ زینب، رقیہ اور ام کلثوم رسول اللہ (ص) کی ربائب (لے پالک یعنی گود لی ہوئی بچیاں) تھیں جائز نہیں۔ رسول اللہ (ص) کے گھر پلنے والے بچوں کا ذکر شیعہ سنی کتابوں میں موجود ہے۔ ربیب النبی کا درجہ عمر ابن ابی سلمہ (رضی اللہ عنہما) اور علی ابن ابی طالب (صلوٰت اللہ علیہ) نے بھی پایا۔ پس زینب، رقیہ اور ام کلثوم رسول اللہ (ص) کی سگی بیٹیاں ہیں اور انکے فضائل بھی کتابوں میں مذکور ہیں۔

امیرالمومنین (ع) کے دشمنوں کا کفر

معلوم ہونا چاہئے کہ ہم شیعوں کے نزدیک وہ لوگ جنہوں نے امیرالمومنین (ع) سے جنگ کی ان لوگوں سے بدتر ہیں جنہوں نے رسول اللہ (ص) سے جنگ کی تھی کیونکہ محاربین رسول تو کافر تھے البتہ محاربین علی منافق تھے۔ پس دشمنان علی کا کفر واضح ہے۔ چنانچہ آئمہ اہل بیت نے نواصب وخوارج کے کفر کی تصریح کی ہے۔ یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ آج کے زمانے میں مسقط (عمان) میں خوارج کی حکومت ہے۔ پس یہ لوگ امیرالمومنین (ع) کی تکفیر کرتے ہیں اور ابن ملجم ملعون پر رحمت بھیجتے ہیں۔

چنانچہ نواصب وخوارج سے دوری اختیار کی جائے۔ امیرالمومنین (ع) پر تبراء کرنے والا ملعون ہے۔

گستاخ رسول کا قتل

شیعہ مسلک میں گستاخ رسول کی کیا سزا ہے؟ روایات کی رو سے گستاخ رسول کی سزا موت ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں۔ یہ بات معلوم ہو جانی چاہئے کہ ہمارے نزدیک شاتم رسول اور شاتم اہل بیت قابل گردن زنی ہے۔ البتہ ہم چونکہ پاکستان میں رہتے ہیں جو کہ ایک سنی ملک ہے لہٰذا قانون کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں۔ ہمیں اپنے نفس کو مصیبت میں ڈالنے کی اجازت نہیں۔

افسوس ہے ان لوگوں پر جو مسلک شیعہ سے عدم واقفیت کی بناء پر اپنی طرف سے الٹی سیدھی حکایات گھڑتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فقہ جعفریہ میں توہین رسالت کی کوئی سزا نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ توہین رسالت کی سزا موت ہے پھر چاہے یہ جرم کوئی مسلمان کرے یا غیر مسلم۔ اس موضوع پر سید مرتضیٰؒ کی کتاب الانتصار کا مطالعہ کیا جائے۔

شیعہ مسلک میں تو یہ تک حکم ہے کہ کسی کو توہین رسالت کرتے سنو تو وہیں اس کی گردن ماردو۔ البتہ موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں آئمہ کا وہ حکم دیکھا جائے جس میں مومنین کو اپنی جان کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

کسی کو جلا کر مارنا

کیا کسی کو آگ میں پھینک کر سزائے موت دینا اسلام میں جائز ہے؟ سنیوں کے یہاں تو یہ عمل ناجائز ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ صرف اللہ رب العزت ہی آگ کا عذاب دے سکتا ہے۔ البتہ شیعوں کے یہاں ایسا کچھ نہیں۔ ہمارے یہاں ایک قاضی بعض مجرموں کو جلا کر مار سکتا ہے۔ مثلاً ہم جنس پرستی ایک سزا یہ بھی ہے کہ فاعل ومفعول کو آگ میں پھینک دیا جائے۔

اس ہی طرح غلاۃ کی سزا آگ میں جلا کر مارنا ہے۔ امیر المومنین (ع) نے عبداللہ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کو ایسے ہی قتل کیا تھا۔ اس کا ذکر کافی اور رجال الکشی میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ عبداللہ ابن سبا (کافی میں اسکا نام نہیں ہے اور لکھا ہے کہ جٹ قوم کی ایک جماعت) نے امیر المومنین (ع) کی ربوبیت والوہیت کا دعویٰ کیا۔ جناب امیر (علیہ السلام) نے اس جماعت کو توبہ کی مہلت دی مگر یہ توبہ کرنے سے انکاری ہوئے۔ اس پر امیر المومنین (ع) نے ایک گڑھا کھودا اور اس میں انہیں دھکیل دیا۔ بعض روایات کی رو سے یہ سب لوگ دم گھٹنے کی وجہ سے مر گئے جبکہ دیگر احادیث میں ہے کہ یہ لعنتی لوگ جل کر ہلاک ہوئے۔ اللہ انہیں جہنم کا مزہ چکھائے!

پس مسلک تشیع میں حاکم وقت کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ ایک غالی کو آگ میں پھینک کر قتل کردے۔

خاتمہ

الحمدللہ! ہم نے اپنا کتابچہ مکمل کیا۔ شب شنبہ بتاریخ ۱۸ نومبر ۲۰۲۳ء اس تحریر سے ہم فارغ ہوئے جبکہ ۱۴۴۵ھ کے ایام فاطمہؑ چل رہے ہیں۔ اللہ ہم سب کو سیدۃ النساء (صلوٰت اللہ علیہا) کی شفاعت سے ہمکنار کرے! شہر کراچی میں یہ الفاظ قلمبند کیے گئے جس کے لیے میں نے ان پیج سافٹ ویئر کا استعمال کیا۔ امید ہے کہ اس کو پڑھ کر لوگوں کے اذہان کھلیں گے اور وہ شیعہ کتابوں کا مطالعہ کریں گے۔ آپ اگر شیعہ کتابوں کو پڑھنا چاہیں تو thaqalayn.net، lib.eshia.ir، shiaonlinelibrary.com اور دیگر ویب سائٹس پر جائیں۔ اردو اور انگریزی میں کتب حدیث شیعہ تلاش کریں۔ اگر نہیں ملتی تو ٹوئیٹر پر مجھ سے رابطہ کریں۔

پروفائل: @muslim_modest

۱۸ نومبر ۲۰۲۳ء وصلی اللہ علی محمد وعلی ال محمد